حرمین شریفین کی علمی شخصیتیں

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی [1]

مسجد الحرام کا تعلیمی نظام | مسجد الحرام اور مسجد نبوی اسلام کے ابتدائی دور ہی سے دین کی اشاعت کے مراکز اور منبع رہے ہیں۔ اُن کی یہ علمی مرکزیت آج تک کسی نہ کسی صورت میں صدیوں سے برابر چلی آرہی ہے۔ میں نے مکہ مکرمہ میں اپنے قیام کے دوران مسجد الحرام کے مدرسین اور تعلیمی نظام کا بھی مطالعہ کیا، اس سلسلہ میں مجھے جو معلومات فراہم ہوئیں وہ قارئین کی نذر ہیں۔

جزیرۂ عرب میں تیل اور دوسرے معدنی ذخائر نکلنے کی وجہ سے جو مرفہ الحالی آئی ہے اس سے پہلے حرم میں تعلیم و تدریس کے لئے کوئی خاص منہج یا نصاب تعلیم نہ تھا، نہ حکومت کی طرف سے مدرسوں کو کوئی باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی، اور نہ طلبہ سے کوئی فیس ہی لی جاتی تھی۔ تعلیم حسبۃً للہ دی جاتی تھی۔ حجاز میں سعودی حکومت کے ابتدائی دور یا اس سے پہلی حکومتوں کے دور کے معظم علماء کی سوانح حیات کو دیکھا جائے تو انہوں نے دار آخرت کی طرف رحلت کے وقت ذکر خیر کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ "والذکر للانسان عمر ثانٍ" یعنی ذکر خیر انسان کے لئے ایک دوسری زندگی ہے۔ مدرسہ صولتیہ مدرسہ فخریہ، مدرسۃ الفلاح، المدرسۃ الراقیہ وغیرہا سب حرم کی تعلیم کی بدولت وجود میں آئے، ان مدارس کے قائم کرنے والے حرم کی تعلیم سے مستفید ہو کر نکلے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ حکومت کی طرف سے اس سلسلے میں بالکل بے توجہی ہوتی تھی، حکومت اپنی بساط کے مطابق علماء اور مدرسین حرم کی کچھ نہ کچھ اعانت بھی ضرور کرتی تھی، لیکن اکثر فاضل مدرسین ثواب کی خاطر ان چیزوں سے مستغنی رہتے تھے۔

حرم کے جملہ مدرسین، ائمہ، مؤذنین اور مطوفین کی نگرانی کے لئے حکومت کی طرف سے ایک مفتش ہوتا ہے، تقریباً چالیس سال قبل اس جلیل القدر عہدہ پر ایک سندھی عالم فائز تھے، جن کا نام شیخ محمد کامل سندھی تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کے حالات پر چند سطور تحریر کی جائیں۔

شیخ محمد کامل سندھی کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہی ۱۲۸۵ھ میں ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آن اعلام سندھ کی اولاد

[1] مولانا کے سفر حجاز کی یہ تیسری قسط ہے۔

سے تھے جنہوں نے ایک دو صدی پہلے حجاز کی طرف ہجرت کی تھی۔ محمد کامل سندھی علماء کے نقیب اور حرم کے مدرسین ائمہ، مطوفین اور خدام حرم کے مفتش تھے، انہوں نے وقت کے متبحر علماء جیسے شیخ محمد صالح کمال، شیخ محمد سعید بابصیل اور شیخ عبدالرحمٰن دہان سے تعلیم پائی، ان کے ایک زائر نے شیخ کا حال بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔ یہ شیخ طویل قامت، معتدل جسم اور گھنی داڑھی والے تھے۔ وہ اپنے فرائض کی بجاآوری میں نہایت مستعد رہتے تھے، وہ حرم کے مدرسین کی دیکھ بھال کرتے، اسی طرح ائمہ اور مؤذنین میں سے جو غیر حاضر ہوتا اُس پر نگاہ رکھتے اور طواف کی جگہ پر کھڑے ہو کر مطوفوں اور معلموں کی دعائیں سُنتے اور ان کی نحوی اغلاط کو درست کرتے تھے، اس معاملہ میں وہ اتنے سخت تھے کہ کسی مطوف کو طواف کرانے کی اجازت ہی تب دیتے تھے جب وہ اُس سے صحیح ادعیہ سُن لیتے۔ وہ خود بھی اچھے مدرس تھے۔ حرم میں فقہ حنبلی اور نحو کی کتابوں کا درس دیتے تھے، جس نے اس دور کو پایا اور حرم کے درس کو بھرا ہوا دیکھا ہے، اس نے شیخ محمد کامل سندھی کو اُون کا جبہ پہنے ہوئے اور سر پر پگڑی یا عمامہ باندھے ہوئے درس کے وسط میں ضرور دیکھا ہوگا۔ وہ ہمیشہ اسی ایک ہیئت میں رہتے تھے۔ یہ شیخ محمد کامل سندھی نے ۱۳۵۳ھ میں وفات پائی اور اپنے پیچھے تین لڑکے چھوڑے۔ ۱۔ شیخ عبدالسلام مراقب عام ادارہ حرم۔ ۲۔ شیخ عبداللہ موظف مجلس وزارت، ۳۔ شیخ سعید موظف وزارت داخلیہ[1]

اس وقت حرم میں تعلیم و تدریس کی پہلے سے زیادہ نگرانی ہو جاتی ہے اور خاص طور سے سلفیہ مسلک رکھنے والے علماء کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی حرم کے مدرسین میں سے جو اَعلم حجاز کہلاتے ہیں اور جن کا علمی معیار بلند اور تحقیق و تدقیق عالمانہ ہے وہ سب پُرانی تعلیم کے فیض یافتہ اور حنفی، مالکی، یا شافعی فقہ کے پابند ہیں۔ جیسے سید امین کتبی حنفی، سید حسن مشاط شافعی اور سید علوی مالکی ہیں، ان کے علاوہ حرم کے جو دوسرے مدرس ہیں ان میں شیخ حمزہ عبدالرزاق کا بڑا بلند علمی مقام ہے، وہ اکثر قرانی حقائق پر تبصرہ کرتے رہتے ہیں، دو تین مرتبہ مجھے ان کے درس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا، سلفی مسلک رکھتے ہیں اور ان کا بڑا اچھا مطالعہ ہے! میرے استاذ امام عبیداللہ سندھی کے معتقد ہیں۔ اپنے پاکستانی اور ہندوستانی علماء میں سے مولانا خیر محمد صاحب ساکن ٹھل حمزہ ریاست بہاولپور، مولانا عبدالحق صاحب بہاولپوری اور مولانا عبداللہ صاحب لکھنوی بھی حرم میں حسبۃً لِلّٰہ تعلیمی خدمت ادا کر رہے ہیں۔

مولانا خیر محمد صاحب کافی مدت سے جوار حرم میں مقیم ہیں۔ ایک روز ان کے درس قرآن میں بھی حاضر ہوا عبادت

---

[1] دروس من ماضی التعلیم وحاضرہ للشیخ عمر عبدالجبار ص ۲۲۱

طاعت اور ریاضت نے ان کو نڈھال کر دیا ہے، کچھ معتقدوں نے ان کو سہارا دے کر بٹھایا، لیکن جب آپ کا درس قرآن شروع ہوا تو وہ کمزوری جاتی رہی۔ ان کے ایک ایک لفظ سے ایمانی قوت، تقویٰ اور سادگی ٹپک رہی تھی۔ تیس سال پہلے میں نے مولانا خیر محمد صاحب کو ان کے گاؤں ٹل حمزہ میں دیکھا تھا، وہاں مولانا کی بدولت ایک بڑا مدرسہ قائم تھا جہاں کئی منتہی شاگرد تعلیم پا رہے تھے اور مولانا کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ شاگردوں کے لئے گھروں سے کھانا خود لے آتے تھے۔ آپ درس سے فراغت کے بعد اپنی بھینسیں اور گائیں خود چرانے جاتے تھے۔

مولانا عبدالحق صاحب بہاولپوری کا حلقۂ درس کافی بڑا رہتا ہے، حدیث کا درس دیتے ہیں اور نہایت ہی سادہ مزاج اور پرہیزگار عالم ہیں۔ سلفیہ مسلک رکھتے ہیں لیکن تعصب نام کو بھی نہیں۔ مولانا پڑھانے سے زیادہ لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ علم حدیث میں کئی کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔

مولانا عبداللہ صاحب لکھنوی اچھے محدّث اور حسن اخلاق کا مجسّمہ ہیں۔ ان سے کئی مرتبہ علمی ملاقاتیں ہوئیں حرم میں بھی اور دارالحدیث خیریہ میں بھی۔ ان کے درس کا بھی بڑا حلقہ رہتا ہے۔

پاکستانی علماء میں سے ایک صاحب مولانا امان اللہ پشاوری ہیں خوب طاقتور اور قدآور، ان کی اپنی زبانی معلوم ہوا کہ عرصہ پندرہ سال سے مجاور حرم میں مقیم ہیں۔ یہ بزرگ اُردو میں حرم کے اندر وعظ و تبلیغ کرتے رہتے ہیں، بڑی اونچی آواز میں بولتے ہیں۔ مغرب سے لے کر عشاء کی اذان تک اُن کی تقاریر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

عرب علماء میں سے ایک نوجوان عالم شیخ علی بن زید رکن عراقی کے بالمقابل حدیث کا درس دیتے ہیں، اور زیادہ تر اپنے درس میں ردّ بدعات پر زور دیتے رہتے ہیں، ان سے بھی ملاقات ہوئی اور علمی باتیں ہوئیں۔

ایک روز ایک انڈونیشی عالم شیخ عبدالقادر کے درس میں حاضر ہوا، ان کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا۔ شیخ عبدالقادر انڈونیشی زبان میں پڑھا رہے تھے۔ ان کو بڑا نحوی عالم مانا جاتا ہے، ان کے مستفیدین سب انڈونیشی شاگرد معلوم ہوتے تھے، ایک خاص چیز ان کے درس میں یہ تھی کہ درس سے فراغت کے بعد سب شاگرد شیخ سے مصافحہ کر کے جاتے تھے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ روزانہ ان کا یہی دستور ہے۔ اور یہ شافعی المذہب ہیں

جدّہ میں شیخ محمد نصیف سے ملاقات

مکہ مکرمہ میں میں مناسک حج سے فارغ ہو چکا تھا اور وہاں کے علماء، صلحاء اور اکابر دین کی زیارتیں بھی ہو چکی تھیں، اب صرف مدینۂ منورہ کی حاضری رہ گئی تھی، مجھے چونکہ

مشرق وسطیٰ کی سیاحت اور بیت المقدس کی زیارت کے لئے جانا تھا اس لئے ایک بار اپنے محترم رفیق پروفیسر ظہور احمد صاحب کی معیت میں شرق اردن کے سفارت خانے واقع جدہ میں عمان کا ویزا حاصل کرنے کے لئے جانا ہوا۔ وہاں ویزا حاصل کرنے میں یہ دقت پیش آئی کہ میں نے کراچی سے متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) کا ویزا لے لیا تھا۔ اس کو دیکھ کر عمانی سفارت خانے والے مجھ کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ اُن سے غیر فصیح عام عربی زبان میں بات چیت کرنا بھی میرے لئے وبالِ جان بن گیا، دوسرے کچھ زائرین تھے ان کو تو ویزا مل گیا اور میرے لئے یہ شرط لگائی گئی کہ پاکستانی سفیر جب تک نہیں لکھے گا ویزا نہیں مل سکتا۔ یہ سُن کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ دفتری کاروبار کی وجہ سے میرا وقت ضائع ہو رہا تھا۔ پہلے تو میں نے اس کے لئے میمن صاحب سفیر پاکستان کو تکلیف دینا مناسب خیال نہ کیا اور سیکریٹریوں سے اس بارے میں کہا لیکن ہمارے سفارتی حکام ایسے لاٹ صاحب تھے کہ سوائے نہ کے ان کے ہاں اور کوئی جواب نہ تھا، لامحالہ میمن صاحب سے ملا۔ صاحب موصوف کی ہر دلعزیزی اور پاکستانی حجاج کے ساتھ ہمدردی کی کیا تعریف کروں، اُسی وقت میرے لئے خط ٹائپ ہوا جس کو لے کر میں عمانی سفارت خانے میں پہنچا اور ویزا حاصل کیا، اس سلسلے میں میں اپنے دوست قاری خیر محمد صاحب کی خصوصی معاونت کو بھی نہیں بھلا سکتا۔

جدہ میں دو دن قیام رہا اس موقع کو غنیمت پاکر عرب کے ایک مخیر اور علم دوست عالم شیخ محمد نصیف سے ملاقات کی۔ شیخ کے نام نامی سے تو میں پہلے سے آشنا تھا، عمر رسیدہ بزرگ ہیں کوئی نوّے سال کے لگ بھگ ہو نگے۔ متانت، سنجیدگی اور اخلاق کے مجسمہ ہیں، کافی دیر تک ان سے علمی باتیں ہوتی رہیں، مولانا بنوری صاحب کا بھی تذکرہ کیا پھر مخدوم محمد معین ٹھٹھوی سندھی اور ان کی کتاب "دراسات اللبیب" کے متعلق بھی اپنے تاثرات ظاہر فرمائے، موصوف چونکہ سلفی مسلک کے ہیں اس لئے دراسات کی تعلیق اور حواشی کے سلسلے میں میرے فاضل دوست نعمانی صاحب سے ناراض نظر آتے تھے۔ عربی دستور کے مطابق قہوہ اور چائے نوشی جاری رہی اور مذاق میں قہوہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ ہمارے ہاں کا "پان" ہے۔ کھانے کے لئے بھی اصرار فرمایا لیکن وقت کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں معذرت کرنی پڑی، شیخ محمد نصیف صاحب کی بڑی اچھی لائبریری ہے۔ آپ نے منہاج السنۃ جدید ایڈیشن ج ۱ تالیف شیخ الاسلام ابن تیمیہ، الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، تالیف شوکانی اور دوسری کتابیں بھی مرحمت فرمائیں۔

ہمیں دو دن جدہ میں رہنا پڑا۔ پھر ہم مکہ مکرمہ واپس آگئے، میں نے پاسپورٹ اپنے معلم محمد ہاشم سندھی صاحب

کے حوالے کیا، وہ اپنی بے حد مصروفیتوں کے باوجود جدہ گئے اور اپنی جیب سے ہوائی جہاز کا ٹکٹ ۲۶۵/- ریال میں جدہ سے عمان تک کا لے آئے۔ اب میرے لئے یہ ٹکٹ دکھا کر مدینہ منورہ جانا آسان ہوگیا ورنہ میری باری تب آتی جب چوتھے جہاز کے کراچی کی طرف واپسی میں صرف دس بارہ دن رہ جاتے کیونکہ میں چوتھے نمبر جہاز میں ہی آیا تھا اور اسی سے مجھے لوٹنا تھا، کسی دوسرے ملک کو جانے کے لئے بحری جہازوں سے آنے والے حجاج کو صرف ہوائی جہاز کے ذریعہ جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ غرض یہ ٹکٹ دکھا کر مجھے مدینہ منورہ جانے کی اجازت مل گئی۔

مدینہ منورہ کو روانگی | مکہ مکرمہ سے "خروج" کی اجازت ملتے ہی میں حرم میں طوافِ وداع کے لئے گیا، یہ طواف واجب ہے اور کعبہ سے رخصت کا طواف ہے، اس موقع پر مجھے اپنے، اپنے خویش واقارب اور دوسرے احباب کے لئے جتنی دعائیں کرنی تھیں وہ سب پورے خلوص سے کیں۔ حرم سے جدائی کے وقت اس بندۂ آثم پر جو رقت طاری ہوئی وہ حدِ بیان سے باہر ہے۔

اب مجھ سے بس کا انتظار بھی نہ ہوسکتا تھا کیونکہ بس تو تب جائے جب حجاج سے بھر جائے۔ آخر حکومت سے "تنازل" حاصل کیا اور اپنے معلم اور دوسرے احباب کو الوداع کہہ کر ٹیکسی کے لئے جیاد پہنچا۔ مدینہ جانے کے لئے میری عجلت کا یہ عالم تھا کہ میرے دو رفقاء میں سے پروفیسر سید فخر الحسن صاحب کو ان کی بوڑھی والدہ کی بیماری کی وجہ سے پہلے ہی مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے جانے کی اجازت مل گئی اور وہ مدینہ چلے گئے تھے، لیکن پروفیسر ظہور احمد صاحب تاحال مکہ میں میرے ساتھ تھے وہ ہسپتال گئے ہوئے تھے۔ ان کے واپسی کا بھی انتظار نہ کرسکا تاکہ ان کو بھی الوداع کہوں۔ درحقیقت یہ کوئی میری خصوصیت نہ تھی، مکہ مکرمہ سے "خروج" کی اطلاع اس طرح ملتی ہے کہ حجاج جلدی میں سب کچھ بھول جاتے ہیں۔

غرض محلہ جیاد سے جدہ کے لئے تین ریال کرایہ دے کر ٹیکسی پر سوار ہوا، جیسے ہی جدہ کے بس اسٹینڈ پر پہنچا تو مدینہ منورہ جانے کے لئے ایک ٹیکسی تیار کھڑی تھی، جدہ سے مدینہ منورہ تک کا چھ ریال کرایہ دیا۔ یہ کرایہ حجاج کے لئے نہیں ہوتا، جیسے کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں، بلکہ مقامی لوگوں سے لیا جاتا ہے، میں چونکہ "ورقہ تنازل" حاصل کرچکا تھا اس لئے اب میری حیثیت بھی مقامی آدمیوں جیسی تھی۔

جدہ سے مدینہ منورہ تک ۴۲۵ کیلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ ٹیکسی بڑی تیز چل رہی تھی، سڑک نہایت ہی عمدہ اور نئی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھی، راستے میں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں نظر آئیں، ظہر کی نماز رابغ میں ادا کی۔ رابغ بحرِ قلزم پر ایک چھوٹی

سی بندرگاہ ہے۔ یہ شامی اور مصری حجاج کے لئے میقات احرام ہے۔ یہاں بدوی بچے اُبلے ہوئے انڈے بیچ رہے تھے دس قروش میں تین انڈے ملے۔ وہاں چائے نوشی بھی کی۔ رابغ کے بعد بدر کا مقام آیا، یہاں بھی قہوہ خانے تھے، کافی دیر تک وہاں ٹھہرے۔ معرکہ بدر جہاں واقع ہوا تھا وہ جگہ اس بستی سے مغرب کی طرف تھوڑے فاصلے پر ہے۔ وہیں شہدائے بدر کی قبریں بھی ہیں، عربوں نے دور سے ہمیں وہ جگہ بتائی۔ بدر سے آگے حسینیہ، مسجد، بیئر الراحۃ اور بیئر علی کی بستیاں آئیں، بیئر علی سے مدینہ منورہ صرف پانچ میل رہ گیا اور یہ وقت مغرب کا تھا لہٰذا مدینہ منورہ کی روشن بتیاں دور سے نظر آرہی تھیں۔ اس جگہ کو ذوالحلیفہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جو اہل مدینہ کے لئے میقات ہے اور حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں رضوان اللہ علیہم نے یہیں احرام باندھا تھا۔ اب جیسے جیسے یثرب کی آبادی قریب آرہی تھی، شوق دیدار گنبد خضرا بڑھ رہا تھا۔ ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتشِ شوق تیز تر گردد

حدود شہر میں داخل ہوتے ہی معلّم کا تعین ضروری ہوگیا۔ یہاں مکہ مکرمہ کی طرح معلّم کے تعین میں حجاج کو اختیار نہیں ہے، بلکہ ہر خطہ کے لئے معلم مقرر ہوتے ہیں۔ کراچی کے لئے شیخ حمزہ زلی معلم تھے، ہمیں اُن کو ہی اپنا معلّم مقرر کرنا پڑا۔ حرم کے قریب ٹیکسی کو رکوا کر اُتر پڑا، شوق زیارت کا یہ عالم تھا کہ سامان اُتارتے وقت ایک بوری سامان کی (جسمیں اکثر امانتیں اور احباب مدینہ کے لئے کچھ تحائف تھے) ٹیکسی سے اُتارنا رہ گئی، بوری پر میں نے اپنا نام بھی نہیں لکھا تھا، جب حرم پہنچا تب سامان یاد آیا، لیکن اب تو رات ہوگئی تھی۔ معلّم کو خبر کی، اس نے بھی یہ عذر پیش کیا کہ اگر آپ کا پتہ لکھا ہوا ہوتا تو سامان مل جاتا۔ میں نے ٹیکسی کا نمبر بھی نوٹ نہیں کیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور اور اس کے شوفر کی یہ حالت تھی کہ جدہ سے لے کر مدینہ منورہ تک ریڈیو سُنتے اور ہاتھ سے تالیاں بجاتے آئے تھے، نماز کی پابندی بھی ان لوگوں میں نہ تھی۔

صبح کو مسجد نبوی میں جاکر نماز باجماعت ادا کی اور صلوٰۃ وسلام پڑھا، اس وقت کی کیفیت قید کتابت میں نہیں آسکتی۔ اس کے بعد بس اسٹاپ پر چلا گیا، بیسیوں ٹیکسیاں اور بسیں کھڑی تھیں۔ وہاں پولیس کو بھی اطلاع دی۔ ان کی طرف سے بھی یہی جواب ملا کہ ڈرائیور کو شناخت کیجئے، لیکن بیسیوں آدمیوں میں شناخت کرنا مشکل ہوگیا۔ آخر دو گھنٹے کے انتظار کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب کے ہاتھ میں وہی بوری سامان کی ہے اور اعلان کرتا پھر رہا ہے،

بڑی خوشی ہوئی کھویا ہوا سامان مل گیا، ڈرائیور اور شوفر کے متعلق جو میری بدگمانی تھی وہ جاتی رہی، حسن معاملگی اسی کا نام ہے، ظاہری تقویٰ میرے خیال میں کسی کام کا نہیں ہے۔

ملاقاتیں جمعہ کا روز تھا، میں ۳ گھنٹے پہلے "روضہ من ریاض الجنۃ" میں پہنچ گیا، نماز سے فراغت کے بعد مولوی محمد قاسم اور مولوی حبیب اللہ صاحب بلوچستانی سے ملاقات ہوئی، یہ دونوں بزرگ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں درجہ عُلیا میں تعلیم پاتے ہیں۔ مولانا عبید اللہ صاحب صدر مدرس مظہر العلوم کراچی نے انہیں پہلے ہی میرے متعلق اطلاع دی تھی۔ ان دونوں دوستوں کی وجہ سے فضلائے مدینہ اور مقامات متبرکہ اور آثار قدیمہ دیکھنے میں میرے لئے آسانی پیدا ہوگئی۔ اسی روز عصر کے بعد جنت البقیع گئے، جہاں حضرات عثمان، ابو سعید خدری، حلیمہ سعدیہ، امام نافع، امام مالک، آٹھ اُمہات المومنین، بنات النبیؐ، سیدہ خاتون۔ امام حسن، امام محمد باقر، امام جعفر صادق رضوان اللہ علیہم کے مزارات کی زیارت حاصل ہوئی۔ مزارات کی جگہ صرف معمولی نشانات باقی تھے، واپسی میں سندھ کے ایک درویش صفت عالم مولانا محمد کامل صاحب سے جو کہ پندرہ سال سے ترک وطن کر کے مع اہل و عیال جوار سرور کائنات میں سکونت فرما ہیں، اُن کے دولت خانے پر ملاقات ہوئی، مولانا موصوف صبر و شکر کے مجسمے ہیں، اب تو انہوں نے اپنا ایک مکان بھی بنوا لیا ہے، لیکن اس سے قبل جن صعوبتوں کا ان کو سامنا پڑا آپ وہ سب بخوشی برداشت کرتے رہے، ان کے دوستوں سے معلوم ہوا کہ وہ کبھی مدینہ منورہ کی زندگی سے دل برداشتہ نہ ہوئے۔ مزدوری کر کے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتے رہے، اب بھی خیاطی کر رہے ہیں اور اس سے جو وقت بچتا ہے وہ کتابوں کے مطالعہ اور مسجد نبوی میں عبادت کرتے ہیں، میرے تو وہ قدیم دوست اور کرمفرما تھے، مدینہ منورہ میں وہ اکثر میرے ساتھ رہے۔

مدینہ منورہ کے مشاہیر علماء سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا، مولوی محمد قاسم اور مولوی حبیب اللہ متعلمان جامعہ اسلامیہ مدینہ کی رفاقت میں علامہ شیخ ابن باز پرو وائیس چانسلر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے دولت خانے پر حاضر ہوا، شیخ ابن باز کے حسن اخلاق کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ موصوف کا پانچ ہزار ریال کا مشاہرہ ہے لیکن مہمانوں کا اتنا ہجوم رہتا ہے کہ سننے میں آیا کہ اتنا مشاہرہ ہوتے ہوئے بھی مقروض رہتے ہیں۔

موصوف میرے ساتھ علمی گفتگو کرتے رہے۔ ان کو مملکت اسلامیہ پاکستان سے بھی بڑی ہمدردی ہے۔ پاکستانی علماء کی علمی سرگرمیوں کے متعلق بھی سوالات کرتے رہے۔ آپ نے سندھ کے قدیم محدثین اور علماء کی بڑی تعریف فرمائی۔

میں نے انہیں اپنی کچھ تالیفات بھی پیش کیں غرض موصوف نے جس کرمفرمائی اور حسن اخلاق کا مظاہرہ فرمایا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھے یاد رہیگا۔ میرا ارادہ مشرق وسطیٰ کی سیاحت کا تھا علامہ موصوف سے میں نے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے بکمال شفقت ایک خط دیا تاکہ اگر مجھے واپس حجاز آنا پڑے تو سفارت کی طرف سے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء

الحاج سید شیر محمد خلیفہ مولانا تھانوی کی زیارت | مدینہ منورہ کے زندہ بزرگوں میں سب سے نمایاں شخصیت سید شیر محمد گھوٹکی نا؟ سندھی بزرگ ہیں، عرصہ دراز سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے ہیں۔ آپ کے ہاں ہر ملک کے علماء اور فضلاء زیارت کے لئے آتے ہیں، اور مسائل حج میں آپ کی شخصیت مستند سمجھی جاتی ہے میرے لئے آپ کی ذات گرامی ناآشنا نہ تھی، کیونکہ سید صاحب اپنے وطن گھوٹکی سندھ میں اپنے بڑے بھائی الحاج سید فخر الدین شاہ مرحوم خلیفہ ارشد مولانا اشرف علی کی معیت میں مدرسہ قاسم العلوم گھوٹکی چلاتے تھے۔ اس دور میں مدرسہ قاسم العلوم کا میں مدرس اول تھا، سید صاحب کی زیارت سے بڑا قلبی سکون حاصل ہوا موصوف کی اس وقت ۸۲ سال عمر ہے اور اس پیرانہ سالی میں بھی اپنا خود کھانا پکاتے ہیں، حالانکہ اگر وہ چاہیں تو ان کی خدمت کے لئے بیسیوں معتقدین تیار ہیں، لیکن وہ اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔

دوران گفتگو موصوف نے فرمایا کہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے جب استاذ العلماء مولانا قمر الدین نبوی مولانا نظر محمد صاحب ھنگ والے سے تعلیم پاتے تھے۔ فقیہ سندھ مولانا محمد قاسمؒ ساکن گڑھی یاسین کے متعلق فرمایا کہ ان میں حق طلبی اور انصاف کا مادہ تھا، اسی طرح فرمانے لگے کہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے سندھ کے مفتی مولانا عبد الغفور صاحب ہمایونی کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ میرے کچھ خطوط بھی سید صاحب کی معرفت آئے تھے ان کو حاصل کیا اور پھر ایک دوسرے سندھی تاجر الحاج علی محمد خیاط سے ملاقات کی۔

الحاج علی محمد سندھی بھی عرصہ پندرہ سال سے ترک وطن کر کے مدینہ منورہ میں مع اہل و عیال سکونت پذیر ہیں، ان کا بھائی محمد بخش نامی بھی ان کے ساتھ ہجرت کر کے گیا تھا، لیکن چند سال کے بعد وہ اس لئے واپس آ گیا کہ وہاں کے لوگوں کی وہابیت سے وہ متنفر تھا۔ لیکن الحاج علی محمد بڑے صبر اور شکر سے مدینہ منورہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں جو ہر لحاظ سے قابل رشک ہے۔ الحاج علی محمد کی دکان مسجد نبوی کے بالکل قریب تھی اس لئے میں نے انہی کے ہاں رہنے کو پسند کیا۔

زیارتیں | ۲ رجون کو جبل اُحد اور دوسری زیارتوں کا پروگرام بنایا، پہلے جبل اُحد گیا، جنگ اُحد کی وجہ سے

اس جبل کی جو تاریخی اہمیت ہے وہ سب کو معلوم ہے، یہ جبل مدینہ سے شمال کی جانب تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح مورچہ قائم کیا تھا، اور کہاں پچاس تیر اندازوں کو متعین فرمایا تھا، اور پھر کس طرح پسپائی ہوئی، ان تمام چیزوں کو رفقاء کی رہنمائی میں غور سے سمجھتا رہا، حضرت حمزہؓ کے مزار کی زیارت بھی نصیب ہوئی، وہاں سے مسجد قبلتین گئے، پھر خندق کو دیکھا جہاں پانچ مسجدوں کی بھی زیارت کی، پھر مسجد قبا کو چلے گئے وہاں نوافل ادا کئے، مسجد قبا کے قریب بئیر اریس کو بھی دیکھا۔ یہ وہ کنواں ہے جس کا پانی آنحضرت صلعم کی لعاب کی برکت سے میٹھا ہوا تھا اور حضورؐ کی انگوٹھی حضرت عثمانؓ سے اس کنوئیں میں گر پڑی تھی، یہ تمام زیارتیں کرکے واپس آ گیا، دوسرے دن مولوی محمد قاسم اور مولوی حبیب اللہ صاحبان کی رفاقت میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ گیا، جہاں جامعہ کے تلامذہ اور اساتذہ سے کافی دیر تک ملاقات رہی۔

جامعہ کے امین عام علامہ شیخ عبودی سے اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے ملاقات ہوئی لیکن عمر بھر میں ان کی کرمفرمائی کو بھول نہیں سکتا، موصوف خالص علمی انسان اور کتابوں کے دلدادہ تھے، علمی جذبے کی بنا پر میری انہوں نے جو معاونت فرمائی اس کا بدلہ تو پروردگار سے ہی ان کو ملے گا۔ وہ اپنی موٹر پر بٹھا کر مجھے مسجد نبوی میں لائے۔

اسی روز شام کو بئیر رومہ کو بھی دیکھا، پانی نہایت ہی میٹھا تھا، یہ تاریخی کنواں ہے جس کو حضرت عثمانؓ نے یہودیوں سے خرید فرما کر وقف کیا تھا، آج تک اس کا پانی میٹھا چلا آرہا ہے۔ یہاں ڈیری فارم بھی ہے اس کے پاس بڑا اچھا خوش کن باغیچہ ہے۔ یہ کنواں مدینہ منورہ سے شمال مغرب کی طرف تقریباً تین میل فاصلے پر ہے +

المسوّٰی مِن احادیث الموطا (عربی)

امام ولی اللہ رح دہلوی

یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ آج سے ۳۲ سال پہلے مکہ مکرمہ میں مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے زیر اہتمام چھپی تھی۔ اس میں مولانا کے تشریحی حاشیے ہیں۔ ولایتی کپڑے کی نفیس جلد قیمت بیس روپے۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی صدر حیدرآباد سے طلب کریں